© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

اسلام کی عمرانی اساس

عمرانیات Sociology کا ترجمہ ہے۔ اس کے دائرہ بحث میں بقول اِلاوڈ کے تحقیق و تفحص کا یہ رُخ داخل ہے کہ معاشرے کا نقطۂ آغاز معلوم کیا جائے۔ اس میں جو ارتقا ہوا اس کا پتا چلایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وقتاً فوقتاً اس کے ڈھانچے میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ایک فن کی حیثیت سے اس اصطلاح کو ۱۸۳۸ میں پہلے پہل کومتے نے استعمال کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ کومتے نے اس علم کو کتم عدم سے نکال کر علوم و فنون کی صف میں شامل کیا۔ اس سے پہلے جہاں تک انسانی رشتوں کی وضاحت و تبیین کا تعلق ہے، یونان کے لوک گیتوں اور لوک کہانیوں میں ایسا مواد موجود تھا، جس پر اس علم کی بنیاد رکھی جا سکتی تھی۔ افلاطون نے اسی مواد کو سامنے رکھ کر چوتھی صدی قبل مسیح کے اس علم کو اوج پر پہنچایا۔ کومتے کا کمال صرف یہ ہے کہ اس نے اس موضوع کے مشتملات سے زیادہ اس بات کو اہمیت دی ہے کہ معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں جن عوامل نے حصہ لیا ان کی چھان بین کے لیے ایک علمی منہاج کا تعین کیا جائے۔ سپنسر نے اس کے بعد زیادہ گہرائی اور زیادہ ژرف نگاہی سے اس کے خد و خال کو نکھارا اور معاشرے کی بنا، ارتقا اور اس کی تہ میں کارفرما عوامل کی نشاندہی کی۔ گزشتہ نصف صدی میں اس علم کے بارے میں جن افکار و نظریات نے جنم لیا، اس سے اس کا رُخ عام معاشرہ یا گزشتہ اقوام کی اجتماعی زندگی سے متعلق عمومی غور و خوض سے ہٹ کر اس خاص جانب مڑ گیا کہ ان فکری اور سائنسی عوامل کی تعیین کی جائے جن سے معاشرے کا تانا بانا تیار ہوتا ہے۔ نیچرل سائنس کے حامیوں نے انسان کی اجتماعی زندگی کو ایک مادی مظہر ٹھہرایا اور کہا کہ اس کے مطالعہ و تحقیق کے لیے ہمیں انہی لگے بندھے اصولوں کو بروئے کار لانا چاہیے، جن کو ہم دوسرے مادی مظاہر میں استعمال کرتے ہیں، اور یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کسی معاشرے کو ایک قالب میں ڈھالنے کے لیے عقیدہ و فکر نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ حیاتیات کے ماہرین نے معاشرے کی اساس کو زندگی کی کروٹوں میں تلاش کرنا شروع کیا اور انسان کی ساری تہذیبی تگ و دو کو حیاتیات کے عمل و ردعمل کا نتیجہ قرار دے دیا۔ اقتصادیات کے ایک گروہ نے سرمایہ کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ غالیانہ نظریہ قائم کیا کہ اس کی تقسیم کا مخصوص انداز وہ فیصلہ کن عامل ہے جو معاشرے کی تشکیل پر اثر انداز ہوتا ہے اور تمام عقیدے، اقدار اور شعائر و رسوم تقسیم دولت کے اسلوب و نہج کا ثمرہ ہیں۔ اسی طرح سیاسیین نے دوسرے اسباب و عوامل سے قطع نظر کرکے اسلوبِ حکومت اور تصورِ مملکت کو معاشرے کی اصل جانا اور یہ کہا کہ اسی کی کوکھ سے فکر و نظریہ اور اقدار و عقائد کی تخلیق ہوتی ہے۔ یعنی اگر حکومت شورائیت کی حامل ہے تو افرادِ قوم میں بھی مشورہ طلبی کا جذبہ ابھرے گا اور ان میں ایک دوسرے کی بات سننے، پرکھنے اور جانچنے کا حوصلہ ہوگا۔ اور اگر حکومت کا انداز غیر شورائی اور مطلق العنانہ ہوگا تو افراد بھی تنگ نظری، ہٹ اور تعصب کا شکار ہو جائیں گے۔

مسلمان حکما میں سے فارابی، ابن خلدون اور ابن طقطقیؔ نے بھی عمرانیات کے بعض گوشوں سے تعرض کیا ہے۔ فارابی نے یہ بتایا ہے کہ مثالی شہری زندگی کن عناصر سے ترتیب پذیر ہوتی ہے، ابنِ خلدون نے تہذیب و تمدن کی بقا اور فنا کے اسباب و عوامل پر روشنی ڈالی ہے، اور ابن طقطقیؔ نے رموزِ سلطنت کی پردہ کشائی کی ہے اور بتایا ہے کہ فرماں روائی و حکمرانی کے لیے کن صحت مند اصولوں کو اپنانا ضروری ہے۔ عمرانیات کے سلسلے میں فکر و نظر کی یہ تمام کڑیاں اپنی جگہ اہم ہیں اور اس لائق ہیں کہ ان سے استفادہ کیا جائے لیکن ان میں کوئی بھی ایسی جامع، محیط اور فیصلہ کن نہیں کہ اس کی روشنی میں اجتماعیت کے تمام مسائل حل و کشود کی منزلوں کو کامیابی سے طے کر سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ انسان اور انسانی معاشرہ اس عالمِ آب و گِل ہی کا ایک جز ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اس عالم کے طبیعی اور اٹل قوانین، مثلاً جغرافیہ، آب و ہوا، وراثت اور غذا اور اس کے رہن سہن، عادات و اطوار اور رسوم و اقدار پر کسی حد تک اثر انداز ہونے والی چیزیں ہیں۔ لیکن حضرت انسان اپنی فطرت، مزاج اور خصوصیات فکر و اجتہاد کی بدولت اس عالم رنگ و بو سے الگ تھلگ اور اس مجموعۂ جبر و اضطرار کے سوا ایسی حقیقت بھی ہے جو خود اس عالم کو بدل دینے کی صلاحیت سے مالامال ہے۔ حیاتیات کے قوانین کی اثر آفرینی بھی مسلم، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ انسان اپنے باپ دادا یا خاندان سے جہاں شکل و صورت اور عادات و اطوار کا ایک انداز پاتا ہے وہاں تعلیم، تدریس اور باہمی معاملات سلوک سے بھی بہت کچھ سیکھتا اور حاصل کرتا ہے۔ ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کرتے کہ تقسیمِ دولت کی خاص نوعیتوں سے تہذیب و اخلاق کے بہت سے گوشے متاثر ہوتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے کہ تقسیمِ دولت کے مختلف نظریات کو ترتیب دینے والا بھی تو انسان ہی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی ضروریات، روایات اور تاریخ کے حقائق و شواہد کو سامنے رکھ کر کسی متعین اقتصادی نظام کو اپنانا اور قبول کرتا ہے۔ یہی حال سیاسیات کا ہے۔ ان کی حیثیت بھی کسی مجرد اور مطلق عامل و عنصر کی نہیں کہ جس سے زندگی کا نقشہ بہرحال ترتیب پاتا ہے، بلکہ اس کے خدوخال بھی اس حقیقت سے نکھار اور یقین حاصل کرتے ہیں کہ کوئی قوم تہذیب و تمدن کی کس سطح پر فائز ہے، اس کی مادی و روحانی ضرورتیں کیا ہیں اور یہ کہ تاریخ کے کن کٹھن اور دشوار گزار مرحلوں کا اسے سامنا ہے۔ غرض عمرانیات کے یہ تمام خودساختہ نظریے، ناقص، غیر جامع اور یک رخے (ONE SIDED) ہیں، جن سے انسانی معاشرے کے ارتقا کے سلسلے میں کسی حد تک مدد تو لی جا سکتی ہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی فیصلہ کن نظریہ حیات کے طور پر مان لینا مشکل ہے۔

عمرانیات کا ایک اور انداز بھی ہے، اسے مذہبی عمرانیات (RELIGIONS SOCIOLOGY) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے دائرۂ بحث میں یہ اہم سوال شامل ہے کہ عقائد و معاشرہ میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت کیا ہے، عقائد کس حد تک معاشرے کی زلف و کاکل کو سنوارتے ہیں، اور معاشرے کی تہذیبی و ثقافتی سطح کس نوع کے عقائد و اقدار کی پرورش کرتی ہے۔ مختلف مذاہب و ادیان اور مختلف معاشروں اور تہذیبی ڈھانچوں کے مطالعے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے مزاج اور قالب میں ڈھالنے میں برابر کوشاں رہتے ہیں۔ کبھی عقائد و اقدار معاشرے کے رخ کو بدل دیتے ہیں، اور کبھی تہذیب و ثقافت کے دھارے عقائد کو ایک نئے امتزاج سے ہم کنار کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی قوم تنگ نظر، حرب پسند اور جامد ہے تو اس کے دیوتا بھی تنگ نظر، لڑنے بھڑنے والے اور سنگ و خشت کے مجسموں میں بند اور غیر متحرک ہوں گے اور اس کے برعکس اگر قوم وسیع النظر، انسان دوست، اور حرکت پسند ہے تو وہ اپنے لیے ایسے الٰہ پسند کرے گی جن میں اس نوع کے صفات پائے جائیں، جن سے ان کے ماننے والوں میں وسعتِ قلبی، انسان دوستی اور آگے بڑھنے کے جذبات کو تقویت حاصل ہو سکے۔ ٹھیک اسی انداز سے متعین عقائد و اقدار کسی معاشرے میں متعین اخلاق و سیرت پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر کوئی قوم ایک سے زیادہ خداؤں کو مانتی ہے یا سرے سے کسی بھی خدا کو تسلیم نہیں کرتی تو ان کے ہاں معاشرے کے مختلف افراد کو باہم وابستہ اور پیوستہ رکھنے کے لیے کوئی روحانی اور ٹھوس اساس نہ ہوگی۔ ایسی قوم اپنی تہذیبی وحدت کو قائم رکھنے کے لئے زیادہ رنگ، جغرافیہ، نسل اور انسانوں کے خود آفریدہ نظریات کا سہارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے گی۔ لیکن اگر ایک قوم توحید کو مانتی ہے، ایک خدا پر یقین رکھتی ہے اور کسی مصنوعی سہارے اور وسیلے کی قائل نہیں تو یہ قوم نہ صرف وحدتِ امت کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہوگی بلکہ وحدتِ انسانیت کے عالم گیر سوتے بھی اس کی تعلیمات سے پھوٹیں گے۔

عمرانیات کا ایک تیسرا دائرہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کن اقدار و عقائد پر انسانی معاشرے کی تشکیل کرتا ہے اور یہی موضوع اس وقت ہمارے غور و فکر کا ہدف ہے ـــــ دوسرے لفظوں میں مختصر انداز میں ہمیں یہ بتانا ہے کہ اسلامی عمرانیات اپنے آغوش میں کن اصولوں اور پیمانوں کو لیے ہوئے ہے، جن کی روشنی میں ایک مہذب اور شائستہ معاشرہ معرضِ وجود میں لایا جا سکتا ہے۔

جہاں تک اسلام کے عمرانی تصور کی تعیین کا تعلق ہے، بغیر کسی تمہید کے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان ابدی اقدار پر مبنی ہے جو خمیرِ کائنات میں ازل سے جلوہ کناں ہیں اور جن کو بنی نوع انسان کے دلوں تک پہنچانے کے لیے ہر ہر دور میں انبیا، رسل اور رہنما مبعوث ہوتے رہے۔ اس لیے کہ انسانی معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا مسئلہ صرف انسانی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تقاضا بھی ہے کہ اس نے ازراہِ شفقت و کرم جب اس بزم کون کو حضرتِ انسان کی ہنگامہ آفرینیوں سے سجایا اور آراستہ کیا ہے تو وہ ان کو وہ سیدھی راہ بھی بتائے جس پر چل کر یہ اس بزم کو نہ صرف قائم رکھ سکیں بلکہ اس کی رونق و شادابی میں اضافہ بھی کر سکیں اور اس کو اس لائق بھی بنا سکیں کہ یہاں رہ کر انسان ہموم و آلام کی خلش کے علی الرغم مقدور بھر قلب و روح کی مسرتوں کو اپنے دامنِ طلب میں سمیٹ سکنے کے قابل ہو جائے۔

قرآن حکیم عمرانیات و حیاتیات کے اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتا کہ یہ دنیا آپ سے آپ بغیر کسی خالق و رب کے سطحِ وجود پر ابھری ہے اور یہ کہ انسانی معاشرے نے اپنی ہی کوششوں اور اپنے ہی خود ساختہ نظریات کے بل پر تکمیل و ارتقا کے مختلف مرحلوں کو طے کیا ہے۔ قرآن حکیم کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اور ہر ہر دور اور ہر ہر گروہ میں اللہ تعالیٰ کے فیوض و رحمت نے برابر راہ نمائی کی ہے اور گم کردہ راہ انسان کو رشد و ہدایت کے رستے پر ڈالا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

اور ہر قوم کے لیے ایک رہ نما ہوا کرتا ہے۔

اور کیوں نہ ہو، جس خدا نے بچے کی پیدائش سے پہلے ماں کے سینے کو مامتا کے شفقت بھرے جذبے سے بہرہ ور کیا اور اس کی چھاتیوں میں خالص دودھ کے ذخائر پیدا کیے۔ جس نے مولود کی تعلیم و تربیت سے پہلے اس میں جبلتوں کی تخلیق کی تاکہ یہ بقائے حیات کی کٹھن منزلوں کو بغیر کسی خوف و خطر کے طے کر سکے۔ یہی نہیں جس نے حضرتِ انسان کی تخلیق و آفرینش سے ہزاروں لاکھوں برس پہلے اس کے کھانے پینے کی اشیا کا اہتمام کیا اور طرح طرح کی عقاقیر اور جڑی بوٹیوں کو اس غرض سے پیدا کیا کہ انسان ان کے ذریعے اپنے امراض اور بیماریوں کا مداوا کر سکے، بھلا ایسا علیم و حکیم اور رؤف و رحیم خدا اس بات سے کیں غفلت برت سکتا تھا کہ انسانی معاشرے کی رہنمائی و ہدایت کے لیے سرے سے کوئی سامان فراہم نہ کرے، کوئی روشنی نہ دکھائے، کوئی پیغمبر نہ بھیجے اور کوئی ضابطہ حیات تجویز نہ فرمائے۔

سوال یہ ہے کہ آخر ان تمام انبیا و رسل کی تعلیمات میں وہ کون ابدی اور وسیع تر عمرانی اساس ہے، جس پر تمام نوعِ انسانی کو اپنی اجتماعی زندگی کے بام و در کو استوار کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک اس اساس کی تشریح ان تین نقاط میں مضمر ہے۔

(۱) ایمان باللہ (۲) تقدیس حیات (۳) عملِ صالح

اللہ تعالیٰ کو ماننے کے معنی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے ہیں جو تمام انبیا و رسل کے دلوں پر جلوہ فگن ہوئی، جس نے کائنات کے مردہ جسم میں روح و معنی کی تخلیق کی اور تمام حقائق کو نیہ و روحیہ کو ربط و نظام کی عشوہ طرازیوں سے آراستہ کیا۔ خدا کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خود انسان نے اپنے تشخص کا اعتراف کیا، یعنی اپنی عقل و خرد اور ارادہ و قصد کی وسعتوں کو مانا۔ ڈیکارٹ نے کہا تھا کہ چوں کہ میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں، ہم کہتے ہیں کہ چوں کہ ہم نیک و بد اور خیر و شر میں امتیاز روا رکھتے ہیں اور ہمیشہ زشت و بدی کے مقابلے میں خیر و خوب کو پسند کرتے اور اختیار کرتے ہیں، اس لیے ہم کسی ایسی ہستی کے آفریدہ ہیں جو بے پناہ اختیار و ارادہ کی مالک ہے، کیوں کہ اختیار و ارادہ ہی اختیار و ارادہ کی صلاحیتوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ سیاہی، سپیدی کو جنم نہیں دے سکتی اور تاریکی کے بطن سے نور کی شعاعیں نہیں پھوٹ سکتیں۔ ہم اگر اندھے، بہرے، اور بے جان مادے کی کرموتوں کا نتیجہ ہوتے تو ارادے کی تخلیقی صلاحیتوں سے قطعی محروم ہوتے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نجوم و کواکب ایسی چمک دمک ہوتی، سمندروں کی سی گہرائی و وسعت ہوتی، اور آسمانوں اور پہاڑوں ایسی بلندی ہوتی، مگر اس صورت میں ہم کچھ سوچ سکنے اور کر گزرنے کے لطف و ذوق سے بالکل ناآشنا ہوتے۔ اس صورت میں ہماری حیثیت اس وسیع و عریض عالم میں محض ایک حقیر کل پرزے کی ہوتی، ایک ایسے بھٹکے ہوئے تنکے کی سی ہوتی جس کو جبر و اضطرار کی آندھیاں ادھر اُدھر اپنے دوش پر اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے یہ مقصود ہے کہ انسان نے کائنات کے رازہائے دروں پردہ اور اسرارِ مابعد مادرا کو پالیا اور ارتقاء کی اس گم شدہ کڑی کو دریافت کر لیا جو کمیت کو کیفیت سے بدل دیتی ہے، جو بے جان مادے کو حرکت و حیات سے آشنا کرتی ہے اور حرکت و حیات کو شعور و ادراک کی نعمتوں سے بہرہ مند کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تخلیق و ارتقا کے طویل مرحلوں میں ہم جو ایک طرح کی جست (JUMP) یا یک بارگی تبدیلی (MUTATION) فرض کرتے ہیں، اس کی ضرورت نہ رہی اور ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مادہ کیوں کر ایک خاص منزل اور متعین سمت کی طرف ایک ترتیب اور سلیقے کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود باجود کو مان لینے سے ہمیں حیاتیات اور فزکس کی ان مشکلات سے نجات مل گئی جو محض اس لیے پیدا ہوئی تھیں کہ ہم نے مادے ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا اور مادی نقطۂ نظر ہی سے ہم کائنات کی تشریح و تعبیر کرنے کے خواہاں تھے۔ خدا کے وجود کو تسلیم کر لینے سے ہمیں ان تمام سوالات کا چُپ تُلا جواب مل جاتا ہے جو ہماری کم نگہی سے اُبھرتے ہیں۔ یہی نہیں، اس طرح گویا خود ان علوم و فنون اور انکشافات کی بہتر طریق سے توجیہ ہو جاتی ہے، نیز کائنات میں اس جاری و ساری قوانینِ فطرت اور ان سے متعلقہ علوم و معارف میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا اور کسی کو یہ کہنے کا یارا نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ کو مان لینے سے سائنسی علوم کی نفی ہوتی ہے۔

ایمان باللہ سے انسان کو ایک ایسا مکمل، روحانی و اخلاقی نصب العین مل جاتا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنے محدود اور سمٹے ہوئے خول سے نکل کر ان کی ان وسیع و شاداب وادیوں میں داخل ہو جاتا ہے جس کے ڈانڈے عالمِ تقدیس سے ملے ہوئے ہیں اور وہ اس تنہائی، عجز اور درماندگی کی اس خلش سے رہائی پا لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے، جس کو وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر قدم پر اس معاشرے میں محسوس کرتا ہے۔ یہی نہیں اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتے ہی انسان فوراً اس یقین تک رسائی حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس دنیائے دنیا میں اب میں اکیلا، بے یار و مددگار یا تنہا نہیں ہوں۔ اب میرے ساتھ میرا آقا بھی ہے اور میری جدوجہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کوششوں میں وہ بھی شریک و معاون ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔

ایمان باللہ یا اللہ تعالیٰ کو مان لینے کا شعور اگر قوموں کے ضمیر میں جاگ اٹھے تو ان میں بھی ایک نئی زندگی اور ایک نیا اخلاقی شعور بیدار ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں قومیں تعصب، تنگ نظری یا نسلی و ملکی دائروں سے بے نیاز ہو کر اپنے ہر اقدام پر اس نقطۂ نگاہ سے غور کرنے پر مجبور ہوں گی کہ اس سے پوری کائنات انسانی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر مصلحتوں سے کس درجہ ہم آہنگ ہیں۔ قرآن حکیم کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان انفرادی و اجتماعی سطح پر اس سے بندگی و عبودیت کے رشتوں کو استوار کرے، اس سے محبت و تودد کے جذبات کو فروغ دے، اس پر بھروسہ کرے، اس کو اپنے اعتماد میں لے اور اس کی صفاتِ حمیدہ کی روشنی میں اپنی زندگی کے تمام رخ متعین کرے۔

ایمان باللہ کی یہی وہ تعلیم تھی جس کو تمام انبیا علیہم السلام نے اپنے اپنے دور میں دنیا میں پھیلایا اور فروغ دیا۔ تقدیسِ حیات کا نظریہ بھی ہماری عمرانی زندگی کا وہ بنیادی اصول ہے جس پر کہ ایک زندہ اور خوش آئند معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے تین پہلو ہیں۔

ایک یہ کہ زندگی کی نشاط آفرینیوں کو ہم موت تک محدود نہ سمجھیں اور جاہلیت پسندوں کی طرح یہ نہ کہیں کہ زندگی محض ایک حادثہ ہے اور ایک وقفہ عارضی ہے جو ایک عدم سے نکل کر دوسرے عدم تک پہنچا دینے سے تعبیر ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے زندگی ایک نعمت ہے جو اس لیے عطا کی گئی ہے تاکہ یہاں رہ کر انسان اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو اجاگر کر سکے۔ اپنے عمل اور جد و جہد سے حسن و خیر کے قافلوں کو آگے بڑھا سکے اور ان تضادات پر قابو پا سکے جو اس کے ارادوں اور کوششوں کی تکمیل کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا **لیبلوکم ایکم احسن عملا** کہ تمہاری تخلیق و آفرینش کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے اور دیکھے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون احسن ہے۔

اسلام رجا و تفاؤل کا قائل ہے، مایوسی اور قنوط کا نہیں۔ اس لیے زندگی کے بارے میں اس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ابدی ہے اور موت محض ایک دروازہ ہے جس سے ہو کر انسان ایسی دنیا میں داخل ہوتا ہے جس کو فنا نہیں۔ لیکن اس دنیا میں چین کے ساتھ رہنے کی شرط یہ ہے کہ انسان نے اس عالمِ رنگ و بو میں فکر و عمل اور عقیدہ و ایمان کے اعتبار سے صحیح زندگی بسر کی ہو۔ اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا وزن زیادہ ہو اور برائیوں کا کم۔ اس عقیدہ کو اپنانے سے فرد و معاشرہ میں ذمہ داری اور محاسبے کی روح بیدار ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ زندگی کا نقشہ ترتیب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ میرے کسی عمل یا اقدام سے کہیں میری اس زندگی پر اثر نہ پڑے جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

تقدیسِ حیات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ زندگی کے ایک ایک لمحے کو عزیز جانا جائے اور اسے زیان و نقصان سے محفوظ رکھا جائے اس لیے کہ وقت بہرحال گریز پا ہے، عمر کا پیمانہ محدود ہے اور فرائض و ذمہ داریوں کا دائرہ وسیع تر۔ جو قومیں وقت کی قدر پہچانتی ہیں، وقت بھی ان کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہے اور جو قومیں غفلت و تساہل میں وقت ضائع کرتی رہتی ہیں، وقت کبھی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ یہی نہیں، وقت بھی انھیں طاقِ نسیان پر رکھ دیتا ہے اور اس طرح بھلا دیتا ہے کہ گویا یہ کبھی بھی معمورۂ ارض پر رونق افروز نہ تھیں۔

تقدیسِ حیات کا تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے، نہ دوسروں کی زندگی یا زندگی کے لوازم خطرے اور ہلاکت سے دوچار ہوں۔ یعنی ہم پوری انسانی برادری کا احترام کریں اور ان کی زندگی کو اپنی زندگی قرار دیں۔ اختلافاتِ باہمی کو گوارا کریں اور کسی بھی مرحلے میں ان کو اس نقطے تک نہ پہنچائیں جس کے بعد لوٹ آنا دشوار ہو۔

ہماری زندگی کی سب سے اہم کڑی عملِ صالح ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس کی بار بار تاکید آتی ہے۔ قرآنِ حکیم کے نزدیک یہی وہ بنیاد ہے جو قوموں کو زندہ رکھتی ہے اور بقا و دوام کی نعمتوں سے سرفراز کرتی ہے۔ عملِ صالح کے کیا معنی ہیں، اس کو جاننے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت کے علاوہ اس میں ہر وہ عمل اور سعی و تگ و دو شامل ہے، جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچے۔ جس سے انسانی فکر تابندہ ہو، انسانی کردار روشن ہو اور ایسی خوش گوار فضا معرضِ وجود میں آئے کہ جس میں ہر شخص امن اور چین سے رہ سکے، جہل و نادانی کے خلاف جہاد کر سکے، فکر و نظر اور علوم و فنون کی قندیلوں کو فروزاں رکھ سکے، جس میں تخلیقی فکر و عمل کی آسانیاں فراہم ہوں اور ہر انسان، انسانیت، اخلاق اور روحانیت کے نشے سے سرشار ہو۔

(بہ شکریہ ریڈیو پاکستان)

© rasailojaraid.com